آثارِ عمر بن پر ایک نظر

(۶)

(جناب محمد اجمل اصلاحی استاذ ادب مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڈھ)

(۱۹) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت احنف کو مخاطب کر کے چند حکیمانہ فقرے کہے تھے جن میں سے ایک یہ ہے

"من اکثر من شیئ عرف بہ" (البیان ج ۲ ص ۲۱۵)

ڈاکٹر خالدی صاحب نے اس جملہ کا ترجمہ یہ کیا ہے۔

"جو شخص جو بات یا جو کام بکثرت کرتا ہے اس کا حسن و قبح اس کی نیت سے جانا جاتا ہے" (اثر ص ۴۵ شمارہ جون ۱۹۷۵ء)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مذکورہ بالا جملہ ایک سادہ سا جملہ اور اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے مگر تعجب ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو اس کے سمجھنے میں دشواری پیش آئی اور بلاوجہ اس کے ترجمہ میں انھوں نے حسن و قبح وغیرہ کے الفاظ بڑھا کر اسے چیستان بنا دیا۔ اس کا صحیح اور صاف ترجمہ یہ ہے

"جو شخص جو کام زیادہ کرتا ہے اسی سے مشہور ہو جاتا ہے"

---

(۲۰) کسی عورت کا شوہر میدان جنگ میں ہوتا اور وہ گھر میں تنہا رہ جاتی تو ایسے نازک موقع پر اس سے ملنے جلنے اور اس کے ساتھ بیٹھ کر گفتگو کرنے میں چونکہ فتنہ کا اندیشہ تھا، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو تنبیہ و توبیخ کرتے ہوئے فرمایا۔

"ما بال احدکم ثانی وسادہ عند امراۃ مغیبۃ، ان المراۃ لحم علی وضم الا ماذب عنہ"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول دو جملوں پر مشتمل ہے، پہلا جملہ توبیخ کا ہے اور دوسرا اس

توبیخ کی علت و حکمت اور عورت کی ایک نفسیاتی کمزوری کے اظہار کا،

پہلے جملہ کا ترجمہ ڈاکٹر صاحب نے یہ کیا ہے۔

"تم میں سے کسی کو کیا پڑی ہے کہ وہ کسی ایسی عورت کے سامنے اپنے بستر پر اترائے جس کا شوہر جنگ پر گیا ہوا ہے اور وہ اپنے گھر میں تنہا ہے" (اثر ۲۳ شمارہ جون ۱۹۷۵ء)

"ثانی وسادہ" کا ترجمہ "بستر پر اترانا" کیا گیا ہے جو کسی طرح درست نہیں، نیز اس ترجمہ کی تشریح میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس سے بھی زیادہ نادرست ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:-

"اپنے بستر پر اترانے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ یہ ظاہر کرے کہ میری بیوی تو میرے پہلو میں رہتی ہے، مجھے اس سے سکون ملتا ہے اس طرح اترانے والا گویا عورت کو جنسی ترغیب دینے یا اس کو اپنے شوہر کی مفارقت پر بے چین کرنے کا ذریعہ بنتا ہے"

لیکن افسوس ہے کہ یہ مفہوم اس جملہ کے لفظوں سے کسی طرح بھی نہیں نکلتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اثر بکثرت مراجع میں آیا ہے۔ لسان العرب میں تین مقامات پر منقول ہے اور اس کی تشریح بھی کی گئی ہے۔ بعض روایتوں میں "ثانی وسادہ کی بجائے "کاسر وسادہ" کا لفظ آیا ہے، دونوں کے معنی ایک ہیں۔ ان تمام تفصیلات سے قطع نظر کرتے ہوئے فاضل مقالہ نگار کا ایک ایسا ترجمہ کر دینا جس کا الفاظ اور ان کے استعمال سے کوئی تعلق نہ ہو بہت ہی افسوسناک جسارت ہے

میرے نزدیک اس جملہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔

"کیا بات ہے کہ تم میں سے بعض لوگ ایسی عورت کے پاس تکیہ موڑ کر ٹیک لگا کر بیٹھتے ہیں جس کا شوہر غائب ہے اور میدان جنگ میں گیا ہوا ہے۔

ایک روایت میں "یتحدث الیہا وتتحدث الیہ" کا اضافہ بھی مروی ہے (۱)

یعنی "وہ اس عورت سے گفتگو کرتے ہیں اور وہ عورت ان سے گفتگو کرتی ہے"

اس طرح گھل مل کر کسی ایسی عورت کے ساتھ جس کا شوہر دور محاذ جنگ پر ہو بیٹھنے اور باتیں

---

(۱) ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۰۵

کرنے سے فتنہ کا قوی اندیشہ تھا۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بروقت نکیر کی۔

اس قول کے دوسرے جملہ "ان المراۃ لحم علی وضم الا ماذب عنہ" کا ترجمہ ڈاکٹر صاحب نے یہ کیا ہے:۔

"عورت تو بوچڑ کے کندے پر کا گوشت ہے، الا یہ کہ کوئی اس کو بوچڑ کی کاٹ سے بچائے رکھے"

یہ ترجمہ بوجوہ نظر ثانی کا محتاج ہے۔

عورت کی فطری کمزوری اور نفسیاتی بے بسی اور سپر اندازی کو بتلانے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مشہور فقرہ بلاغت کا شاہکار خیال کیا جاتا ہے، اس فقرہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورت کے لئے جس تشبیہ کا انتخاب کیا ہے اس کی تشریح مشہور امام لغت ابو منصور ازہری (متوفی ۳۷۰ھ) کی زبان سے سنیئے:۔

"بادیہ میں عربوں کا یہ طریقہ ہے کہ جب اجتماعی طور پر وہ اونٹ ذبح کرتے ہیں تو پہلے بہت سے درخت اکھیڑتے ہیں ان کو اکٹھا ترتیب سے رکھتے ہیں، پھر اونٹ کے ایک ایک عضو کو الگ الگ ان پر رکھتے ہیں۔ اس کے بعد ہڈیوں سے گوشت الگ کر کے تقسیم کے لئے کندے پر اس کے بڑے بڑے ٹکڑے کاٹتے ہیں، پھر آگ جلاتے ہیں۔ جب آگ خوب دہک جاتی ہے تو جس کا جی چاہتا ہے وہ آگ پر گوشت بھونتا ہے کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ لیکن جب گوشت تقسیم ہو جاتا ہے اور ہر شخص کو اس کا حصہ مل جاتا ہے تو کندہ پر سے گوشت اٹھا لیا جاتا ہے اور گھر لے جایا جاتا ہے کندہ پر سے اٹھنے کے بعد کوئی شخص گوشت کو ہاتھ نہیں لگا سکتا، جس طرح گوشت جب تک کندہ پر رہتا ہے ہر شخص کو آزادی ہوتی ہے اور کوئی پابندی لگائی نہیں جاتی۔ اس طرح عورت بھی اپنے چاہنے والوں کے سامنے آسانی سے سپر انداز ہو جاتی ہے اور بہت کم کشمکش کرتی ہے"[1]

دوسرے لفظوں میں کندہ پر رکھے ہوئے گوشت کو جتنی آسانی سے بغیر کسی روک ٹوک کے حاصل کیا جاتا ہے اسی طرح عورت کو بھی آسانی سے ورغلایا اور اس پر قابو پایا جا سکتا ہے اور جب ایسی صورت ہو کہ شوہر میدان جنگ میں ہو اور واپسی معلوم و متعین نہ ہو تو عورت

(۱) لسان العرب (وضم)

کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھانا اور بھی آسان ہو جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد توضیح طلب تھا مگر ڈاکٹر صاحب نے نہ صرف یہ کہ اس طرف کوئی توجہ نہ کی بلکہ اس کا ترجمہ بھی غلط کر دیا "ماذب عنہ" میں انھوں نے "عنہ" کی ضمیر سے مراد "بوچڑ کی کاٹ" لے لی ہے جو صحیح نہیں۔ اس جملہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔

"عورت کندہ پر رکھا ہوا گوشت ہے مگر جب تک اس کی حفاظت کی جائے"

(۲) جاحظ نے امام شعبی کی ایک روایت درج کی ہے جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں

"حدثنی الشعبی ان السائب شهد فتح مهرجان قذق، ودخل منزل الهرمز وفی دار ها الف بیت" البیان ج ۲ ص ۲۹۴

ڈاکٹر خالدی صاحب نے اس عبارت کا جو ترجمہ کیا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

" امام عامر شعبی متوفی ۱۰۳ھ سے روایت ہے:۔ عمرؓ کے دور خلافت میں سائب مدائن کے حاکم تھے۔ بغرض معائنہ و نگرانی قذق آئے یہاں ایرانی شہنشاہ کا ایک عالیشان محل تھا، اس میں مختلف طول و عرض کے ایک ہزار کمرے تھے" (داش ۵۲ شمارہ جولائی ۱۹۷۵ء)

اس ترجمہ میں ڈاکٹر صاحب کے قلم سے متعدد کوتاہیاں ایسی سرزد ہو گئی ہیں جن کا اصل عبارت سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ وہ تمام تر ڈاکٹر صاحب کی خود ساختہ ہیں، مثلاً پہلی بات یہ کہ "عمرؓ کے دور خلافت میں سائب مدائن کے حاکم تھے" یہ بات بجائے خود صحیح ہے مگر امام شعبی کی روایت کے لفظوں سے یہ بات کہاں نکلتی ہے؛ پھر اصل واقعہ سے بھی اس بات کا کوئی جوڑ نہیں ہے،

دوسری بات یہ کہ وہ "بغرض معائنہ و نگرانی قذق آئے" یہ بات اگر حضرت شعبی کے الفاظ "شهد فتح مهرجان قذق" سے سمجھی گئی ہے تو

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

اور اگر وہ خود ڈاکٹر صاحب کا اضافہ ہے تو اس کا تاریخی ثبوت کیا ہے؟ اور حضرت شعبی کی جانب اس کا منسوب کرنا کہاں تک درست ہے جبکہ ان کے الفاظ سے اس کا کوئی ربط نہیں ہے۔

تیسری بات یہ کہ "یہاں ایرانی شہنشاہ کا ایک عالی شان محل تھا"، حالانکہ حضرت شعبی کی عبارت میں تصریح ہے کہ یہ محل ہرمزان کا تھا، جو بلاشبہ کوئی ایرانی شہنشاہ نہیں تھا۔ زیر بحث اثر میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے اس میں ہرمزان کا نام بنیادی اہمیت رکھتا ہے مگر ڈاکٹر صاحب نے نہ جانے کیوں اسے مبہم رکھنے کی کوشش کی۔

حضرت شعبی کی اصل روایت کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔

"شعبی نے بیان کیا:- مہرجان قذق کی فتح کے موقع پر حضرت سائب (ابن الاقرع)۔ موجود تھے، آپ ہرمزان کے محل میں داخل ہوئے، اس محل میں ایک ہزار کمرے تھے"

تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت سائب ابن الاقرع کو جو ان کے داماد بھی تھے اہواز سے شہر صیمرۃ کو فتح کرنے کے لئے بھیجا تھا، چنانچہ انھوں نے صیمرۃ اور مہرجان قذق کے دوسرے تمام علاقوں کو فتح کیا[1] جاحظ نے جو واقعہ بیان کیا ہے وہ اسی موقع کا ہے جیسا کہ حضرت شعبی کی روایت میں خود اس کی تصریح ہے۔

---

(۲۲) طاعون عمواس کے سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے درمیان مقام سرغ" میں جو سوال و جواب ہوا وہ تاریخ کا ایک مشہور واقعہ ہے مگر حیرت ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے جو شعبۂ تاریخ کے پروفیسر ہیں اس مکالمہ کو مراسلہ قرار دیا ہے جس کا نہ جاحظ کے بیان سے کوئی تعلق ہے اور نہ تاریخ سے اس کا کوئی

---

(۱) فتوح البلدان للبلاذری مطبوعہ ۱۹۰۱ء ص ۳۱۵

ثبوت بلکہ اس کے برعکس کتاب البیان والتبیین اور کتاب البخلا کی عبارتوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکالمہ تھا۔

اس سوال وجواب کے ترجمہ میں بھی ڈاکٹر صاحب سے نہایت ہی فاحش قسم کی غلطی ہوگئی ہے۔ اصل عبارت یہ ہے :۔

"قال لہ ابو عبیدۃ : افر من قدر اللہ، قال : نعم الی قدر اللہ" (البخلا ص ۱۷۱)

ڈاکٹر صاحب نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے :۔

"ابو عبیدہ نے جواباً لکھا : کیا آپ اللہ کی قدرت سے بھاگتے ہیں، آپ نے فرمایا : ہاں اللہ کی قدرت کے وسیلہ ہی سے اللہ کی قدرت کی طرف" (اثر ۵۳ شمارہ جولائی ۱۹۷۵ء)

اس ترجمہ میں ڈاکٹر صاحب نے دو غلطیاں کی ہیں۔ پہلی غلطی تو یہ کہ "قدر — کا ترجمہ قدرت کیا ہے جو قطعاً صحیح نہیں ہے، دوسری غلطی یہ کہ "من قدر اللہ" کا ترجمہ پہلے جملہ میں "قدرت سے اور دوسرے جملہ میں "قدرت کے وسیلہ سے" کیا ہے۔ حالانکہ "وسیلہ" کا یہاں نہ کوئی ذکر ہے نہ اس کا کوئی موقع ہی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس جملہ میں جو انھوں نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے جواب میں فرمایا تھا، دراصل تقدیر کے نازک مسئلہ کو اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق بڑے بلیغ اور مختصر الفاظ میں حل کر دیا ہے۔ اس جملہ میں "قدر" سے مراد تقدیر ہے۔ ایک دوسری روایت میں "قدر اللہ" کی جگہ پر "قضاء اللہ" آیا ہے۔ اس لئے اس عبارت کا صحیح ترجمہ یہ ہوگا۔

"حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا : کیا آپ تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہیں ؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا : ہاں، بھاگتا بھی تقدیر الٰہی ہی کی طرف ہوں"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت اس سے زیادہ مفصل ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جواب اس طرح منقول ہے۔

فقال عمر : لو غیرک قالھا یا أبا عبیدۃ — حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : ابو عبیدہ کاش

نعم نفر من قدر الله الى قدر الله ، أرأيت لو كانت لك ابل فهبطت واديا له عدوتان: احداهما مخصبة واخرى جدبة اليس ان رعيت الخصبة رعيتها بقدر الله وان رعيت الجدبة رعيتها بقدر الله (۱)

تمہارے علاوہ کسی نے یہ بات کہی ہوتی، ہاں ہم تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہیں تقدیر الٰہی کی طرف تمہاری کیا رائے ہے اگر تمہارے پاس اونٹ ہوں اور تم ایسی وادی میں پہنچو جس کا ایک کنارہ زرخیز وشاداب ہو اور دوسرا قحط زدہ وخشک کیا ایسا نہیں ہے کہ اگر شاداب کنارہ پر اونٹ چراؤ گے تو بھی تقدیر ہی سے چراؤ گے اور اگر قحط زدہ کنارہ پر چراؤ گے تو وہ بھی تقدیر ہی سے ۔

اس سوال و جواب کے بعد جاحظ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے سوال کیا:

هل ينفع الحذر من القدر ؟ — کیا تقدیر الٰہی سے بچنا مفید بھی ہو سکتا ہے ؟

اس سوال کے بعد آپ کا جواب بھی نقل کیا ہے کہ ”اگر بچنا مفید نہ ہوتا تو اس کا حکم ہی کیوں دیا جاتا“ اس مکالمہ میں بھی ”قدر“ کا لفظ دو بار آیا ہے مگر یہاں بھی ڈاکٹر صاحب نے اس کا ترجمہ ”قدرت“ ہی کیا ہے ، (جولائی ۱۹۷۵ء ص ۴۶)

---

(۲۳) سرمایہ کی حفاظت کے سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک قول یہ ہے :-

”فرقوا بين المنايا واجعلوا الرأس رأسين“

ڈاکٹر صاحب نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے ۔

”موتوں میں فرق کیا کرو ۔ اور ایک سر کے دو سر بناؤ (کیا کرو“) (اثر ۲۱ شمارہ جولائی ۱۹۷۵ء)

ترجمہ کے پہلے جزو کی تشریح کرتے ہوئے خالدی صاحب رقمطراز ہیں :-

”موتوں میں فرق سے مراد غالباً انسانوں کی حد تک مومن ومسلم کی موت اور مشرک وکافر وفاسق وفاجر کی موت میں فرق کرو رہی اشیاء سو اس میں بھی دیکھو کون سی بے پروائی سے ضائع ۔

---

(۱) اوجز المسالک ج ۶ ص ۱۴۷

ہوتی ہے اور کون سی مفید کام کے ضمن میں ٹوٹی یا پھوٹی۔ حاصل کلام یہ کہ ہر شئے کی ایک زندگی ہوتی ہے، مسلم و مومن کے پاس یہ اللہ کی امانت ہے احتیاط سے برمحل استعمال ہونی چاہیے،،

اور دوسرے جملہ کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:۔

"ایک سر کے دو سَر" کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ توفیر آمدنی کی کوشش کرو، سرمایہ کو مشغول کرو، مال جمع نہ کرو۔ زیادہ کماؤ اور فی سبیل اللہ زیادہ سے زیادہ خرچ کرو"

جاحظ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اثر البیان والتبیین میں ایک جگہ (ج ۲ ص ۳۲۱) اور کتاب البخلاء میں دو جگہ (ص ۱۲ و ۱۶۲) نقل کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ان تینوں مقامات کا حوالہ دیا ہے مگر پہلے جملہ کا جو مفہوم انھوں نے بیان کیا ہے وہ سرتاسر غلط ہے، حالانکہ کتاب البخلاء میں پہلی جگہ جس سیاق میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا قول کا پہلا جملہ آیا ہے اس کو دیکھنے کے بعد اس جملہ کے مفہوم میں کوئی پیچیدگی باقی نہیں رہتی اور دوسرے جملہ سے یہ مربوط بھی ہو جاتا ہے۔

عربی زبان کے معروف ادیب وانشاپرداز سہل بن ہارون بخل میں مشہور تھے۔ بخل کی تعریف اور اس کے فضائل و محاسن کے بارے میں ان کا ایک دلچسپ خط ہے جو بلاغت و انشاء کا اعلیٰ نمونہ ہے، جاحظ نے کتاب البخلاء کا آغاز اسی خط سے کیا ہے جس میں سہل بن ہارون نے اپنے چچازاد بھائیوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی ہے کہ میں نے جو مسلک اختیار کیا ہے اور تم لوگ جس کی مذمت کرتے ہو اور اس کی وجہ سے مجھے ملامت کا نشانہ بنلاتے ہو وہی صحیح مسلک ہے، بخل کے حق میں سہل بن ہارون نے صحابہ و تابعین کے اقوال سے بھی استدلال کیا ہے۔ اسی خط میں وہ لکھتے ہیں۔

"فاحرز والنعمة باختلاف الامكنة	مختلف جگہوں میں رکھ کر اس نعمت (مال) کی حفاظت
فان البلية لا تجري في الجميع الا مع	کرو، اس لئے کہ جب آفت آتی ہے تو سب مال
موت الجميع وقد قال عمر رضي الله عنه	کو تباہ کر دیتی ہے کوئی چیز بچتی نہیں اسی لئے

فی العبد والامۃ وفی ملک الشاۃ و البعیر وفی الشئ الحقیر الیسیر فرقوا بین المنایا" (۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غلام، لونڈی، بکری، اونٹ اور معمولی سے معمولی چیز کے متعلق بھی فرمایا ہے کہ: انکو تقسیم کردو، موتوں کے درمیان۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کے بعد ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ انھوں نے کسی بحری سے پوچھا: تم لوگ اپنے مال کی حفاظت کس طرح کرتے ہو؟ تو اس نے جواب دیا۔

"نفرقها فی السفن فان عطب بعض سلم بعض"

ہم مال کو کشتیوں میں تقسیم کر دیتے ہیں، اگر ایک کشتی کا مال ضائع ہوگیا تو دوسری کا محفوظ رہتا ہے

اس سیاق و سباق کی روشنی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب واضح ہے کہ سرمایہ کو ایک جگہ نہ رکھو کہ کوئی آفت آئے تو سارا سرمایہ اسے یکجا ملے اور وہ سب کا سب بیک دفعہ ضائع ہو جائے۔ بلکہ مختلف جگہوں پر تقسیم کردو تاکہ ایک جگہ کا تلف ہو تو دوسری جگہ کا محفوظ رہے۔

اس موقع پر "منیۃ" سے مراد روح کا قبض ہونا نہیں ہے بلکہ کسی بھی آفت کا آجانا ہے مثلاً چوری ہو جائے، آگ لگ جائے، یا دریا میں غرق ہو جائے،

کلام کی اتنی واضح رہنمائی کے باوجود اس عبارت کے ترجمہ میں ڈاکٹر صاحب کا اس طرح بھٹک جانا بڑا افسوسناک ہے، میرے خیال میں دوسرے جملہ کا بھی یہی مفہوم ہے یعنی سرمایہ کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا جائے، ڈاکٹر صاحب نے جو مطلب بیان کیا ہے۔ یعنی سرمایہ کو مشغول کرکے ایک کو دو کر دینا چاہئے اس کی بھی کلام میں گنجائش ہے، اس صورت میں پہلا جملہ سرمایہ کے تحفظ سے اور دوسرا سرمایہ میں اضافہ سے متعلق ہو جائیگا

عیون الاخبار (۱) اور العقد الفرید (۲) میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زیر بحث

---

(۱) کتاب الکنجلار (۲) عیون الاخبار ج ۱ ص ۲۵۰

(۳) العقد الفرید ج ۲ ص ۲۵۶ احمد امین

اثر انھیں الفاظ میں منقول ہے مگر ابوعبید نے غریب الحدیث میں "بین المنیة" کی بجائے "عن المنیة" نقل کیا ہے اور اس کی تشریح یہ کی ہے: [1]

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر کا مطلب یہ ہے کہ جب تم کوئی غلام یا جانور خرید د تو گراں قیمت خریدنے کی بجائے اتنے ہی دام میں دو خرید لو تاکہ ایک ہلاک ہو جائے تو دوسرا باقی رہے، اس طرح گویا تم اس کو موت سے بچالو گے۔"

یہی تشریح ابن الاثیر نے نہایۃ میں [2] اور ابن منظور نے لسان العرب [3] میں نقل کی ہے لیکن گمان غالب ہے کہ "عن" تصحیف ہے صحیح روایت وہی ہے جو جاحظ سہل بن ہارون ابن قتیبہ اور ابن عبد ربہ نے درج کی ہے۔

---

(۴۲) عربوں میں رواج تھا کہ جب کوئی جنگ چھڑتی تو ہر قبیلہ اپنے افراد کو "یاآل فلاں" کہہ کر آواز دیتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سختی سے اس طرح کے تمام جاہلی اثرات کا خاتمہ کیا۔ آپ کے عہد میں کہیں قبیلہ بنو ضبہ نے یہی جے لگائی تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ایک طویل خط میں تحریر فرمایا۔

"وقد بلغ امیر المومنین ان ضبة تدعو: یاآل ضبة! وانی واللہ ما اعلم ان ضبة ساق اللہ بها خیراً قط ولا منع بها من سوء قط. فاذا جاءک کتابی ھذا فانهکهم عقوبة حتی یفرقوا ان لم یفقهوا" (البیان ج ۲ ص ۳۲۹)

ڈاکٹر خالدی صاحب نے اس عبارت کا ترجمہ یہ کیا ہے۔

"امیر المومنین کو اطلاع ملی ہے کہ بنو ضبہ اپنے بھائی بندوں کو آواز دیتے ہیں، میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اللہ نے انھیں اس پکار کے ذریعہ کبھی کسی بھلائی کو نہیں

---

(۱) غریب الحدیث ج ۳ ص ۳۲۵ (۲) نہایۃ ابن الاثیر ج ۳ ص ۱۹۷ (۳) لسان العرب (فرق) نیز دیکھئے شرح ابن ابی الحدید ج ۱۲ ص ۴۲۲

ابھارا اور نہ اس کے وسیلہ کبھی کسی برائی کو روکا جب تمہیں میرا یہ مراسلہ ملے تو فہمائش کے بعد بھی سمجھ نہ آئی تو انھیں سزا دو" (اثر ع ۶۵ شمارہ اگست ۱۹۷۵ء)

"انھیں کسی بھائی کو نہیں ابھارا" کہاں کی اردو ہے: "بھا" ہیں دونوں جگہ ضمیر کا مرجع ڈاکٹر صاحب نے "پکار" لیا ہے جس کی وجہ سے مفہوم خبط ہو گیا ہے حالانکہ "بہا" سے خود "ضبتہ" مراد ہیں "حتی یفرقوا" کا ترجمہ بھی چھوٹ گیا ہے عبارت کا صحیح ترجمہ یوں ہونا چاہئے:

"..... بخدا مجھے نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی بنو ضبتہ کے ذریعہ (اسلام کو) کوئی خیر پہنچایا ہو یا کسی شر کو دفع کیا ہو جب تمہیں ا میرا یہ خط ملے اور فہمائش کے بعد بھی انکی سمجھ میں بات نہ آئے تو انہیں سخت سزا دو کہ وہ ڈر جائیں،

دوسری روایت میں "یتفرقوا" ہے یعنی یہاں تک کہ وہ منتشر ہو جائیں۔

---

(۲۵) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک حکیمانہ فقرہ ہے:

"سلوا اللّٰہ رزق یوم بیوم، ولا یضیرکم الا یکثرلکم"

جاحظ نے البیان میں دو مقامات پر یہ فقرہ درج کیا ہے، البتہ دوسرے مقام پر "لا یضیرکم" الخ کا ٹکڑا نہیں ہے، (البیان ج ۲ ص ۱۴۱ و ج ۳ ص ۲۶۴)

ڈاکٹر خالدی صاحب نے اس فقرہ کا جو ترجمہ کیا ہے حسب ذیل ہے:-

"اللہ سے روز کی روزی مانگو، اگر وہ زیادہ سود مند نہ ہو تو اس میں تمہارا زیاں بھی نہیں" (اثر ع ۶۶ شمارہ اگست ۱۹۷۵ء)

"یکثر" کا ترجمہ "زیادہ سود مند" کیا گیا ہے جو نہ صرف کہ لغوی اعتبار سے بالکل غلط ہے بلکہ اس کا کوئی موقع بھی نہیں صحیح ترجمہ یہ ہے:

"اللہ سے روز کی روزی روز مانگو، اور فراوانی کے ساتھ نہ ملے گی تو تمہیں اس

سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

---

(۲۶) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی گورنر کو چند ہدایات تحریر فرمائی تھیں جن میں سے ایک ہدایت کے الفاظ یہ ہیں :۔

" احفوا وانتعلوا، فانکم لاتدرون متی تکون الجفلة " (البیان ج ۳ ص ۲۱)

یہی ہدایت کتاب البخلاء میں بھی ایک مقام پر نقل ہوئی ہے مگر وہاں " احفوا وانتعلوا " کی بجائے صرف " احتفوا " ہے (کتاب البخلاء ص ۱۲۳) گویا کتاب البخلاء کی روایت میں " انتعلوا " نہیں ہے، نیز پہلا فعل باب افتعال سے ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے البیان والتبیین کی روایت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

" تم اپنے اونٹوں کو پتھریلی زمین میں چلایا کرو، ان کے تلوے چھل جانے پر بھی انھیں بھگانے کے قابل بناؤ اور تم خود موزے نہیں بلکہ صرف تسمے کی جوتیاں پہنا کرو۔ نہیں معلوم کب دشمن اچانک آپڑے تو پیچھے ہٹتے ہوئے دوڑنے یا یکایک دشمن پر ہجوم کرنے کی نوبت آجائے۔

اس کے بعد کتاب البخلاء کی روایت کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

" یا برولیتے : ننگے پیر چلا کرو نہیں معلوم الخ " (اثر ۲، شمارہ اگست ۱۹۷۵ء)

ڈاکٹر صاحب نے " احفوا " کا مصدر " احفار " (مزید) قرار دیا، جس کی وجہ سے دونوں روایتیں ایک دوسرے سے مختلف ہوگئیں حالانکہ اس کا مصدر " حفار " (مجرد) ہے اور اس کے معنی بھی وہی ہیں جو " احتفار " کے ہیں۔ اصل لفظ کو " احفوا " (ہمزہ مکسور) پڑھیں گے، پہلی روایت کے ترجمہ میں ڈاکٹر صاحب کو غالباً یہ مشکل پیش آئی کہ " احفوا " کے ساتھ " انتعلوا " بھی ہے۔ اور بیک وقت ننگے پاؤں اور جوتیاں پہن کر چلنے کا حکم بظاہر بے معنی ہے اس لئے انھوں نے پہلے لفظ کو اونٹوں سے متعلق کر دیا اور دوسرے کو آدمیوں سے ہم خود اس عبارت کی تشریح کرنے کی بجائے امام سرخسی رحمہ اللہ نے اس کے

متعلق جو کچھ لکھا ہے اسے نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔

"وکتب عمر بن الخطاب الی خلیفتہ بالشأم "انظر فیمن قبلك فمرھم فلینتعلوا ولیحتفوا" ای یمشوا احیانا بغیر نعل واحیانا فی النعال لیعودوا ذلك کلہ"(۱)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے شام کے گورنر کو لکھا "اپنے علاقے کے لوگوں کو حکم دو کہ وہ جوتیاں پہنیں اور ننگے پاؤں چلیں" یعنی کبھی جوتیوں کے بغیر چلیں اور کبھی جوتیوں میں بھی چلیں تاکہ دونوں کے عادی ہو جائیں۔

شرح السیر الکبیر کی مذکورہ بالا عبارت میں(۲) "فلینتعلوا" کے ساتھ "فلیحتفوا" ہے جس کا مصدر "احتفار" ہے اور "احتفار" صرف ننگے پاؤں چلنے کے معنی میں آتا ہے اس لئے اونٹوں سے متعلق کرنے کی یہاں کوئی گنجائش نہیں۔

---

(۲۷) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسی مکتوب کا ایک جملہ یہ بھی ہے جس میں آپ نے مسلمانوں کو عجمیوں کے عادات و اطوار اور ان کی طرز معاشرت سے دور رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔

"ایاکم و اخلاق العجم" عجمیوں کے اخلاق سے دور رہو۔

ڈاکٹر صاحب نے لفظ "العجم" پر نوٹ لکھا ہے:۔

"عجمی سے مراد غالباً وہ قوم جو قانون کی نظر میں مساوی نہیں ہوتی۔ ان میں پیدائش، دولت، اقتدار کی بنا پر اونچ نیچ کا بڑا فرق پایا جاتا ہے۔" (اثر ۲۴۰ شمارہ ستمبر ۱۹۷۵ء)

"عجمی" کی اس نادر تحقیق کا ماخذ کیا ہے؟

(باقی)

---

(۱) شرح السیر الکبیر ج ۱ ص ۴۴ (۲) نیز دیکھئے العقد الفرید قدیم ایڈیشن ج ۱ ص ۴۹۔